قرآن میں تدبّر و تفکّر کا مقام

حمید الدین فراہی
ترتیب: خالد مسعود

انسان کے لئے سعادت کی انتہا یہ ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول اور عہد فطرت کے ایفا کی جدوجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی غلامی اور اس پر دلی خوشی اور اطمینان کی کیفیت سے سرشار ہو۔ اس انتہائے سعادت تک پہنچنے کا وسیلہ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا اسے سیکھنا اور سکھانا، اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ قرآن کریم سے آدمی کا یہ تعلق اس کے ایمان و اسلام کی تصدیق کرتا اور اس فطرت انسانی کی تکمیل کرتا ہے جو مسجود ملائکہ بنی تھی۔ انتہائے سعادت کی طرف بلند ترین زینہ قرآن سے یہی تعلق ہے جب کہ ابتدائی زینہ انسان کی خاص صفت گویائی (نطق) کی تربیت ہے جو انسان کی تمام قلبی و ذہنی صفات کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی صفت گویائی جب صحیح خطوط پر ارتقا کرے اور اس میں کجی واقع نہ ہو تو اس کی منزل قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے اور پڑھنے والا اسی لئے بنایا کہ وہ اس ہدایت کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکے جس کا وعدہ اس کے رب نے اس کے ساتھ کر رکھا ہے اور اللہ کی نشانیوں اور کلام سے فائدہ اٹھا سکے تاکہ اس کے اتارے ہوئے نور سے روشنی پائے اور اس پر رب کی نعمت اور رحمت کی تکمیل ہو۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمٰن: ۱ تا ۴)

خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا اس کی طرف ان آیات میں نہایت مختصر الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ابتدا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ذکر سے کی کیونکہ وہی رحمت اور تعلیم کا آغاز کرنے والی ہے۔ پھر یہ بتایا کہ خدا کی رحمت کی تکمیل قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعہ سے ہوئی۔ پھر فرمایا کہ خدائے رحمان نے ہی تمہیں زندگی بخشی اور بولنا سکھایا تاکہ تم قرآن مجید کی یہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہیں سے سنن ابن ماجہ کی اس روایت کی حکمت واضح ہوتی ہے کہ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو چونکہ اللہ تعالیٰ سے سیکھا اور امت کو اس کی تعلیم دی، اس لئے حضور اکرمؐ بلاشک وشبہ سب سے بہتر انسان تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جنھیں حضورؐ نے تعلیم دی اور انھوں نے آگے یہ علم پھیلایا۔ علیٰ ہذا القیاس، فرق مراتب کے ساتھ اسباب ووسائل کی کثرت وقلت، خلوص نیت اور استقلال کی کمی بیشی کے مطابق دوسرے لوگوں کا درجہ ہے۔ پروردگار کی تعلیم قبول کرنے اور اس کے بندوں تک اس کو پہنچانے سے بڑی بھلائی کیا ہو سکتی ہے؟ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خیر وبرکت کی چیز بھلا کیا ہوگی کہ وہ اس مقصد کو پالے جس کے لئے اللہ نے اسے پیدا کیا؟ اگر تم یہ کہو کہ خدا نے تو انسان کو عمومی طور پر عبادت کے لئے پیدا کیا تھا پھر وہ اس کو قرآن کے سیکھنے سکھانے کے مخصوص کام کے لئے کیوں تیار کرنا چاہتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہر قوم خدا ہی کی عبادت کی دعویدار ہے مگر اس کی عبادت باطل اور ضائع ہوتی ہے جب تک وہ رب کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق نہ ہو۔ قرآن تو ہے ہی رب کی تعلیم اور ہدایت۔ اس اعتبار سے یہ عبادت کی بنیاد، اس کا محور اور عبودیت کا مغز اور جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تلاوت عبادت قرار پائی ہے۔

قرآن فہمی کا دارومدار تدبر پر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ: ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم زمین کی بے شمار اشیا کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ ان میں سے کتنی اشیا ایسی ہیں جن کو ہم پہلے بے خبری میں استعمال کرتے رہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے علم میں اضافہ کر دیا تو ہم نے ان کو اپنے لئے مزید نفع بخش بنا لیا۔ کتنی اور چیزیں ایسی ہیں جن کے فوائد ہم پر ابھی تک مخفی ہیں۔ ہم روز بروز ان کے بارے میں اپنی معلومات کو بہتر بنا رہے ہیں اور ایسا کرنے کے بعد ان کو استعمال میں لائیں گے۔ اس کے باوجود لاتعداد اشیا پھر بھی ایسی باقی رہ جائیں گی جن کے اسرار سے ہم واقف نہ ہو سکیں گے۔ ٹھیک یہی حال علوم کا ہے۔ ان میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ اضافہ ہوتا رہے گا۔

علیٰ ہذا القیاس، قرآن کی صفت یہ ہے کہ یہ بیان کا سہل ترین طریقہ اختیار کرتا ہے اور یہ اپنے مفہوم میں واضح اور روشن کتاب ہے۔ اسی بنا پر اس کو نور اور تفصیل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ نور اسی معنی میں ہے جس معنی میں سورج آنکھیں رکھنے والوں کے لئے ایک واضح چیز ہے۔ وہ اندھوں کو نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنے قارئین سے تدبر، تفکر اور تفہم کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور یہ پڑھنے والے پر اسی قدر کھلتا ہے جتنا وہ اس پر غور کرتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ ہمیشہ سے نفع بخش، ہدایت دینے والی اور واضح ہے لیکن اس کے ساتھ یہ گہری حکمتوں اور ادب کی باریکیوں کا سرچشمہ بھی ہے۔ جس طرح دوسرے علوم میں آدمی جوں جوں ترقی کرتا ہے وہ معلوم سے غیر معلوم تک رسائی حاصل کرتا چلا جاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ	اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت کی راہ
هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ۝	اختیار کی اللہ نے ان کی ہدایت میں افزونی بخشی
(محمد: ۱۷)	اور ان کے حصہ کا تقویٰ ان کو عطا کیا۔

یعنی جو لوگ ہدایت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں اضافہ فرماتا ہے۔

قرآن کے ظاہر سے اس کے باطن تک رسائی

قرآن مجید کے بعض پہلو ظاہر ہیں۔ ان سے جب ہم رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو اس

باطن سے آگاہ ہوتے ہیں جو اس ظاہر کے پیچھے چھپا ہوتا ہے۔ اب وہ باطن ہمارے لئے ظاہر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اگر ہم قرآن پر برابر غور و فکر کرتے رہیں تو قرآن فہمی میں ہم درجہ بدرجہ ترقی کرتے جاتے ہیں لیکن قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر ظاہر باطن کی تمہید ہوتا ہے۔ تدبر کرتے وقت ہم نہ کسی کلمہ کو اس کی جگہ سے ہٹاتے اور نہ قرآن کے معانی ظاہر کے خلاف کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ایک کے بعد دوسری نئی حقیقت روشنی میں آجاتی ہے۔ اس معاملہ کو یوں سمجھو جیسے ہم ایک شعر پڑھتے ہیں اور اس کے معنی سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد غور کرتے ہیں تو اس کے اندر صنعت اور بدیع کی بعض خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مزید غور کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مضمون عین حق ہے اور کئی حکمتوں سے بڑھ کر نفع بخش ہے۔ شعر پر جتنا زیادہ غور کرتے ہیں تو نئی معلومات کی نوعیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ ابتدائی مفہوم کے خلاف ہو جائیں بلکہ یہ علم پر اضافہ در اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہم نے شعر کا وہ مفہوم نہیں بدلا جو آغاز میں سمجھا تھا بلکہ شعر کے محاسن ہم پر واضح ہوئے۔

اب ایک دوسری مثال پر غور کرو۔ آپ دور سے نہایت متناسب تعمیر کا ایک محل دیکھتے ہیں تو اس کے قریب جاتے ہیں۔ جوں جوں آپ اس کے نزدیک ہوتے ہیں اس کی ترکیب اور نقوش کی خوبیاں آپ کے علم میں آتی ہیں۔ پھر آپ اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو وہاں ایسا ساز و سامان پاتے ہیں جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور آپ کا دل لذت پاتا ہے۔ اگر آپ کو اس محل میں ٹھہرنے کا موقع ملتا ہے تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے کمروں کی ساخت ایسی ہے جس سے طبیعت کھلتی ہے اور گرمی اور سردی دونوں کی ضروریات کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ آپ اس میں سونے، آرام کرنے اور نہانے کے کمرے موجود پاتے ہیں۔ وہاں پاکیزہ مشغلوں کے لئے سر و سامان موجود ہے، لذیذ کھانے اور شیریں و خوشگوار مشروب میسر ہیں۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد کسی گوشے میں آپ کو ایک خفیہ دروازہ نظر آتا ہے اور اس کو کھولنے کی چابی ہاتھ آجاتی ہے۔ اس کو کھولتے ہی آپ ایک ایسے خزانے میں جا پہنچتے ہیں جس میں موتیوں، یاقوت اور قیمتی پتھروں

کا کوئی شمار نہیں۔ اس کو پا کر آپ کے سرور و مسرت میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس خزانے کے ایک ایسے حصے میں آپ جا پہنچتے ہیں جس کو آج تک نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی آیا۔ ٹھیک یہی صورت حال قرآن مجید پر غور و فکر کے دوران پیش آتی ہے اور اس پر تدبر کرنے والا برابر نئے نئے حقائق سے آگاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ نئے حقائق قرآن کے ظاہر کے منافی نہیں ہوتے بلکہ علم میں اضافہ پر اضافہ ہوتے ہیں۔

ایک حقیقت دوسری حقیقت کی راہ کھولتی ہے

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ قرآن کا باطن اس کے ظاہر کے نیچے چھپا ہوتا ہے تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک حق دوسرے حق کے ساتھ موافقت رکھتا ہے جب کہ باطل اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب اس کے مقابل میں حق آجائے اللہ تعالیٰ نے جس طرح تاریکی کو ختم کرنے کے لئے روشنی اور ہر عقدہ کا حل پیدا کر دیا ہے، اسی طرح ہر باطل کے مقابل میں اس نے حق کو بھی پیدا کیا ہے۔ اگر باطل پر حق کو غلبہ حاصل نہ ہو سکتا تو دونوں کا معاملہ یکساں ہو جاتا اور یہ ماننا پڑتا کہ معبود ایک نہیں دو ہیں، بلکہ دو سے بھی زیادہ ہیں کیوں کہ باطل کی شکلیں لاتعداد ہیں۔ اس صورت میں دنیا ہر قسم کے نظم اور حکمت سے خالی ایک کھلونا قرار پاتی۔ مزید یہ ہوتا کہ چونکہ باطل اور باطل میں ٹکراؤ ہوتا ہے اس لیے دنیا فساد کا شکار ہو جاتی۔ پس دنیا کا وجود حق کی حکمرانی اور پائیداری کی دلیل ہے۔ مزید برآں یہ اس بلند و بالا حق کی دلیل ہے جو دنیا کے وجود کا آغاز بنا۔

قرآن مجید نے یہ تمام حقیقت خود بیان کر دی ہے۔ فرمایا:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ — حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا اور باطل

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (اسراء: ۸۱) — نابود ہونے والی چیز ہے۔

اس دلیل کو دوسری جگہ زیادہ واضح کر دیا ہے فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا — اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ — ان کے درمیان ہے کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا

لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ
الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝
اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ
يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا
اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (انبیا ۱۶-۲۲)

ہے۔ اگر ہم کوئی کھیل ہی بنانا چاہتے تو خاص اپنے پاس ہی بنا لیتے۔ اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے! بلکہ ہم حق کو باطل پر دے ماریں گے تو وہ اس کا بھیجا نکال دے گا تو دیکھو گے کہ وہ نابود ہو کے رہے گا۔ اور تمہارے لئے اس چیز کے سبب سے جو تم بیان کرتے ہو بڑی خرابی ہے۔ اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی بندگی سے نہ سرتابی کرتے اور نہ تھکتے۔ وہ شب و روز اس کی تسبیح کرتے ہیں اور دم نہیں لیتے۔ کیا انھوں نے زمین کے الگ معبود ٹھہرائے ہیں، وہ زمین کو شاداب کرتے ہیں؟ اگر ان دونوں کے اندر اللہ کے سوا الگ الگ الٰہ ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو کے رہ جاتے۔ تو اللہ، عرش کا مالک، ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

کھیل خاص اپنے پاس ہی بنا لیتے، کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں مصیبت میں مبتلا نہ کرتے اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے، کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بات ماننا ہماری ذات کے حوالے سے بعید از فہم ہے۔ پھر اپنے مقرب ملائکہ کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، ان میں کوئی الٰہ نہیں۔ وہ تو کھیل میں بھی دل چسپی نہیں رکھتے بلکہ تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی حال ان فرشتوں کا ہے جو زمین میں ہوتے ہیں۔ وہ زمین کو شاداب کرنے کا فرض انجام دیتے ہیں۔ الوہیت کے لئے وہ بھی موزوں نہیں۔ لہٰذا واحد متصرف ذات اللہ کی ذات ہے۔ اسی کے قبضہ میں آسمان و زمین کا مرکز حکومت ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک حقیقت کس طرح دوسری حقیقت کی راہ کھولتی جاتی ہے۔ باطل اور باطل میں ٹکراؤ کے برعکس حق کی تمام شکلیں ایک دوسرے سے موافقت

رکھتی ہیں اس لئے جب ایک حق آدمی پر منکشف ہوتا ہے تو وہ اس کی پہلے سے معلوم حقیقتوں کے ساتھ ایک نئی مناسبت کو منظر عام پر لاتا ہے۔ دنیاوی علوم میں بھی یہ امر مشاہدہ میں آتا ہے کہ علم میں نیا اضافہ پہلے علم میں کئی پہلوؤں سے اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ ایک حقیقت بہت ساری حقیقتوں کو روشنی میں لانے کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علما چھوٹی سے چھوٹی حقیقت جاننے کے لئے بھی بے تاب ہوتے ہیں کیونکہ کوئی حقیقت اصل میں چھوٹی نہیں ہوتی بلکہ جن نئی حقیقتوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ان کی عظمت کے باعث یہ خود عظیم ہوتی ہے۔

قرآن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جب جب اس کے علم میں تم اضافہ کرو گے یہ اس کے معانی پر سے پردہ اٹھا دے گا۔ کسی شخص کے لئے یہ روا نہیں کہ جب تک حق ثابت نہیں ہوا اور شک کا پردہ باقی ہے وہ قرآن کی کوئی تاویل بیان کرے۔ کیونکہ جو چیز حق نہیں ہوتی اس کا تار و پود خود ہی بکھر جایا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے نفسانی اوہام اور سروں میں سمائے ہوئے سودا کے مطابق قرآن کی تفسیر کی ان کی حماقتیں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ لہذا یہ امر واجب ہے کہ آدمی قرآن کی واضح و محکم آیات کو اور مشہور ذخیرہ خبر میں سے جو کچھ ثابت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ اسی طرح ہر حق کو جس کا انکشاف ہو مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے یہاں تک کہ اس حق کو بھی جو کسی دوسرے علم کے ذریعے سے آئے۔ صرف اس حق کو لینا کافی نہیں جس کو لوگ ذہنی تیاری کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بطور رہنما کام آئے گا۔ اس کی حیثیت محض ایک رائے اور اندازہ کی ہوتی ہے۔ اصل علم تو خدائے خبیر کی طرف سے آتا ہے۔

یہیں سے پختہ کار علماء کی علم کے بارے میں احتیاط سمجھ میں آتی ہے۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ صرف اس بات پر اعتماد کرتے ہیں جو روشن ہوتی ہے۔ ایک مقلد جس کی آنکھیں باطل کی چمک سے چندھیا گئی ہوں جہاں مشکل میں پڑ جاتا ہے وہاں یہ علماء رک جاتے ہیں اور لا اعلم (میں نہیں جانتا) کہنے کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے حضرت ابو بکرؓ کا یہ قول سنا ہے کہ ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی ان قلت بما لا اعلم (اگر میں اس چیز کے بارے میں کلام کروں جس کا علم نہیں رکھتا تو کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا) اسی طرح امام مالکؒ کا قول ہے عندی من لا ادری ما لو کان مثلہ عندا حد من الابل کان غنیا (میرے پاس میں نہیں جانتا، کا اتنا ذخیرہ ہے کہ تم میں سے کسی کے پاس اتنے اونٹ ہوں تو وہ غنی ہو جائے) محض رائے یا جھوٹے اندازے پر مبنی بات کرنے سے جب آدمی کنارہ کش ہو جائے تو پھر جو کچھ باقی رہتا ہے وہ واضح اور ثابت حق ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے لئے ہر علم صحیح کا حصول مفید ہے

جب تم یہ بات جان چکے کہ ہر نیا حق قرآن کے معانی کا ایک نیا پہلو واضح کرتا ہے جو ان ثابت حقیقتوں کا اثبات، تائید اور وضاحت کرتا ہے جو پہلے سے تمہارے پاس ہوتی ہیں، تو قرآن کے فہم ہی کی خاطر یہ لازم ہوا کہ آدمی ہر علم صحیح کو حاصل کرے۔ ہمارے نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ الحکمۃ ضالۃ المومن (حکمت مومن کی ایک گمشدہ متاع ہے) تو آپ نے اسی چیز کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تھی۔ اسی سبب سے صحابہ کرام علم حاصل کرنے کے بڑے حریص تھے۔ وہ جو کچھ نہیں جانتے تھے اس کے بارے میں برابر سوال کرتے اور جواب سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے نعمتیں اپنی مخلوق میں بانٹ دی ہیں تاکہ وہ سب ایک دوسرے سے ملیں اور باہم تعاون کریں۔ لہٰذا اگر تمہارے پاس ایک قیمتی موتی ہو تو اس پر اترانے کا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بیش قیمت موتی معلوم نہیں کتنی تعداد میں ہوں گے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷۶) اور ہر علم والے سے بالاتر ایک علم والا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں اس بارے میں نہایت دل نشین سبق موجود ہے۔ پس کوئی شخص خواہ وہ خود ہی نبی ہو، علم حاصل کرنے سے بالا نہیں ہوتا اور سوال کرنے سے قدر و منزلت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا روا نہ ہوگا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، قرآن میرے لئے کافی ہے۔ قرآن یقیناً کافی ہے لیکن

وہ اسی طرح کافی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے۔ کیا تمہیں اس سے مانگنے اور جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ انسان تو وہی کچھ پاتا ہے جس کے لئے وہ جدو جہد کرتا ہے۔ کیا سورج کی روشنی تمہارے لئے کافی نہیں ہوتی لیکن اس کے کافی ہونے کے لئے یہ بھی تو ضروری ہوتا ہے کہ تم تاریکیوں اور پردوں میں سے نکل کر باہر آجاؤ۔ ہر لاعلمی ایک پردہ ہوتا ہے اور ہر حق روشنی۔ روشنی کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادگی لازم ہے۔

قرآن پر تدبر واجب ہے

قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے واجب ہونے کی متعدد دلیلیں بیان ہوئی ہیں مثلاً:

الف۔ قرآن مجید نے متعدد آیات میں صراحت کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے۔

ب۔ قرآن مجید کی بعض آیات میں تدبر، استدلال اور غور و فکر کے مواقع کی نشان دہی کر دی گئی ہے مگر تدبر کے بعد ان سے جو حقیقت کھلتی ہے اس کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس کو قاری کے فہم پر چھوڑ دیا ہے۔

ج۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح احکام شریعت کی تعلیم دینے پر مامور تھے اسی طرح حکمت کی تعلیم بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی، اس کا شوق دلایا اور حکمت کی راہوں کی طرف رہنمائی دی۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ کبھی کبھی صحابہ کرامؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش فرما دیتے تاکہ وہ خود اس سے کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ درختوں میں وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان سے مشابہت رکھتا ہے۔ لوگ صحرا کے درختوں کا سوچنے لگے۔ عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال گزرا۔ پھر لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپؐ ہی ارشاد فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "یہ کھجور کا درخت ہے"۔

حضورؐ نے سوال کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔ منع سوال کا مقصد دوسرے مصالح کے علاوہ یہ تھا کہ لوگ خود بھی عقل اور سمجھ کو استعمال کریں۔ صحیح بخاری باب العلم میں حضرت

ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"ہمیں قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے سے روکا گیا تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی کہ دیہاتیوں میں سے کوئی عقلمند آدمی آکر حضورؐ سے سوال کرے جبکہ ہم سن رہے ہوں۔"[۵۳]

یہاں حضرت ثابتؓ کا منع سوال سے اشارہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (مائدہ ۵:۱۰۱) (اے ایمان والو، ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں) کی طرف ہے اور "عقل مند آدمی" کہنے سے ان کی مراد شاید یہ ہے کہ کسی اہم اور مفید معاملہ میں سوال کرتا۔

صحابہؓ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی مجلسوں میں قرآن مجید کے معانی کے بارے میں سوال کرتے اور ان پر سوچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ سورۃ نصر میں کس بات کا اشارہ ہے۔ مجلس میں جتنے بڑے لوگ تھے ان میں سے کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی رائے ظاہر کی، جس کی حضرت عمرؓ نے تصدیق کی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کے اندر فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کا شوق دیکھا تو ان پر زیادہ عنایت کرنے لگے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے استفادہ کا دارومدار اس کے سمجھنے پر ہے یہ کام بڑا غور و فکر چاہتا ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے جب آیات اللہ میں غور و فکر ترک کر دیا تو سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دینے لگ گئے۔ یہ حقیقت کتنی تکلیف دہ ہے کہ خود اہل حق کے ہاں حق اور باطل مشتبہ ہو جائیں اور ان کے اندر حق کی بجائے باطل کی عصبیت پیدا ہو جائے۔

حواشی

۱۔ یہ اشارہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف ہے کہ انھوں نے اسماء کا علم حاصل کیا تو اس کے بعد ملائکہ تخلیق آدم کی مصلحتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت متقاضی ہوئی تو ان کو حکمت کے رموز سیکھنے کے لئے خضرؑ کے پاس بھیجا گیا۔ (مترجم)

۵۲ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب طرح الامام المسئلة علی اصحابه لیختبر ما عندهم من العلم۔

۵۳ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض علی المحدث....

۵۴ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ "ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا"

(تدبر، جنوری ۱۹۹۴ء)